"آج میرے تیسرے اور سب سے چھوٹے بیٹے کی شادی تھی.. وہ دونوں اپنے کمرے میں ہیں اور گاڈ نوز کہ کیا کر رہے ہیں.. مجھے ان تین گرہوں نے اب تک باندھ رکھا تھا.. آج آخری گرہ بھی کھل گئی ہے... میں تم سے ملنا چاہتی ہوں... بتاؤ کب؟"

خاور نے فون رکھ دیا.. اگرچہ اسے اس نوعیت کے فون آتے رہتے تھے... لیکن وہ اس نوعیت کا شخص نہ تھا.. اس کی پوری زندگی میں اس کی بیوی واحد عورت تھی۔ اگرچہ وہ دونوں الگ خصلتوں کے مالک تھے' جدا طبع رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود ان دونوں میں ایک باہمی قرار تھا جس کی بنیاد پر ان کی زندگی میں کسی حد تک روانی تھی.. وہ ایک دوسرے کے ساتھ محبت تو نہ کر سکے اور شاید وہ دونوں ہی محبت کے مفہوم سے نا آشنا تھے لیکن ایک دوسرے کی موجودگی میں وہ ایک پر سکون ٹھہراؤ محسوس کرتے اور زندگی گزرتی جاتی۔ دس برس پیشتر جب اچانک اس کے دماغ کی کوئی رگ پھٹ گئی تھی اور وہ لمحوں میں مردہ ہو گئی تھی تو اس کے بعد اس نے آج تک کسی اور عورت کی رفاقت کے بارے میں سوچا تک نہ تھا.. اس کے آس پاس نہ ہونے سے جو خلا پیدا ہوا تھا اسے پُر کرنے کا کبھی نہ اس کو خیال آیا تھا اور نہ ہی ضرورت محسوس ہوئی تھی..

فون کی گھنٹی فوراً ہی دوبارہ بجنے لگی تھی اور اس میں ایک دھمکی آمیز تسلسل تھا جو منقطع ہونے کا ارادہ نہ رکھتا تھا..

"میں نے کہا تھا ناں کہ میں دوبارہ فون کر لوں گی... سہ بارہ... میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔"

وہ کوئی نفسیاتی مریضہ بھی ہو سکتی تھی.. جوان بیوہ' کوئی ٹین ایج یکدم میچور ہو جانے والی لڑکی' امریکہ وغیرہ میں سیٹل کسی شخص کی تنہائی کی ماری ہوئی بیوی.. یا کوئی مشہور شاعروں' ادیبوں' اداکاروں یا مصوروں کی "ٹرافیاں" جمع کرنے کی شوقین عورت.. اسی نوعیت کے فون آتے تھے..

"آر یو دیئر؟"

"جی..."

"تو پھر؟"

"آپ.. مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہیں؟"

"کیوں' کے لیے تو بہت زمانے طے کرنے ہوں گے.." وہ بہت احتیاط سے ہنسی اور اسی احتیاط کی پیروی میں پس منظر میں ایک ہلکی پھڑپھڑاہٹ ہوئی "جب میں کالج میں تھی.. ایم اے انگلش لٹریچر کے آخری سال میں تھی.. جب میں نے تمہاری پہلی کتاب پڑھی تھی.. جب میں نے پہلی بار تمہیں ٹیلی ویژن کے ایک ادبی پروگرام میں دیکھا تھا.. تب سے.. اور پھر میں منتظر رہی کہ کب آخری گرہ مجھے آزاد کرے اور میں تمہیں یہ فون کروں.. بس اسی پروسس کی وجہ سے چوبیس پچیس برس دیر ہو گئی.." وہ قطعی طور پر کوئی جذباتی خاتون نہیں تھی' نفسیاتی مریضہ ایسے اطمینان سے بات نہیں کرتی تو پھر وہ کس کیٹیگری میں آتی تھی..

"دیکھئے میں.. میں شکر گزار ہوں لیکن .. شاید یہ ممکن نہ ہو.. میں قدرے مصروف رہتا ہوں اور.. جب تک.. آپ یہ نہ بتائیں کہ آپ مجھے کس سلسلے میں ملنا چاہتی ہیں اور کیا بات کرنا چاہتی ہیں.. تو..."

"تم ملاقات کا ایجنڈا جاننا چاہتے ہو؟" وہ پھر احتیاط سے ہنسی "ایک ہی ایجنڈا ہے... محبت... کیا یہ کافی نہیں.. اگر تم انکار کرو گے تو کل صبح ساڑھے نو بجے تمہاری ڈور بیل بجے گی.. بارہ کہو کے علاقے میں سملی ڈیم کو جانے والی سڑک پر جو گہرے سبز رنگ کا گیٹ ہے اس کی بیل پر میری انگلی تب تک دبی رہے گی جب تک وہ کھلے گا نہیں اور اگر تم کھڑکی کے پردے کی اوٹ سے مجھے دیکھ کر باہر نہیں آؤ گے تو میں وہاں تب تک کھڑی رہوں گی جب تک تم باہر نہ آ جاؤ..." یہ آثار کسی ذہنی مریضہ کے ہو سکتے تھے..

"میں انکار کر دوں تو بھی..."

"تو بھی.. تم اپنا ٹیلی فون تو صرف میرے لیے ڈس کونیکٹ نہیں کروا سکتے.. ڈور بیل تو نہیں اتروا سکتے.."

"کیا تم شادی شدہ ہو؟"

"نیچرلی... اس کے بغیر میں تین بیٹے کیسے پروڈیوس کر سکتی تھی..."

بیزاری اور تھکن کی جگہ ایک تجسس نے اسے گرفت میں لے لیا.. کیا اس قسم کے کردار حقیقی زندگی میں ممکن ہیں.. "تو اس صورت میں آپ مجھے کیسے مل سکتی ہیں؟.."

"میں نے تمہیں بتایا ہے ناں کہ آخری گرہ کھل چکی ہے.. میرے ہاتھ جو خاوند اور

اولاد کے شکنجوں میں کسے ہوئے تھے آزاد ہیں.. پلیز آپ مجھ سے مل لو... کتنے بجے؟"

"کل صبح دس بجے.. اگر مناسب ہو تو..."

"کہاں؟"

"اگر آپ مری روڈ کی اس کراسنگ پر آجائیں جہاں سے بارہ کہو کے لیے سڑک نکلتی ہے تو..."

"میں آجاؤں گی.. اور اگر تم نہ آئے تو اسی سڑک پر جو سرخ کھپریل والا گھر ہے اس کے گہرے سبز رنگ کے گیٹ پر جو اسی رنگ کی کال بیل ہے اس پر ساڑھے دس بجے..."

"لیکن میں آپ کو کیسے پہچان سکوں گا؟"

"میں تمہیں پہچانتی ہوں.. ایک مدت سے پہچانتی ہوں.. سویٹ ڈریمز.." فون بند ہو گیا۔

پٹونیا کے تیسرے گملے پر بیٹھے سرمئی کبوتر نے بہت دیر سے غٹر غوں نہیں کی تھی.. شاید وہ اس کی طویل گفتگو سے بور ہو کر اونگھ گیا تھا..

بیڈ روم میں واپس آکر اس نے اپنے حصے کے بستر میں لیٹ کر چھت کے اس حصے کو ایک نظر دیکھا جس پر پینٹ کا آخری کوٹ نہیں ہوا تھا اور پھر ہاتھ بڑھا کر ٹیبل لیمپ آف کر دیا.. اس کے ساتھ ہی مرزا صاحب کے ہاتھ نے اس کے بدن کو ٹٹولا "ادھر آجاؤ..."

"نہیں..."

"کیا مطلب ہے 'نہیں!'".. وہ انکار کے عادی نہیں تھے۔

"آج کے بعد اس ڈبل بیڈ کے درمیان میں ایک دیوار ہے جسے تم پار نہیں کر سکتے" اس نے مرزا صاحب کے ہاتھ کو سمیٹا اور جھٹک دیا اور پھر کروٹ بدل کر فوراً ہی گہری نیند میں چلی گئی..

مرزا صاحب کی آنکھیں حیرت اور غصے میں کھلی تھیں..

ہم سب کے اندر ایک ایسا وجود ہے جو ہمیشہ برقرار رہتا ہے.. اس پر موسموں کے تغیر کا... مہ و سال کے گزرنے کا' وقت کی کسی لہر کا... قدرتی تنزل کا.. کسی ٹوٹ پھوٹ کا کچھ اثر نہیں ہوتا.. آپ اس کی برقراری سے بحث نہیں کر سکتے' اسے قائل نہیں کر سکتے کہ کسی بھی شے کو دوام نہیں.. کیونکہ آپ خود بھی تو اس یقین کے اسیر ہوتے ہیں کہ نہیں میں وہی ہوں جو کہ میں تھا اور وہ نہیں جو کہ میں ہوں... اسی لیے اس وجود میں کوئی دراڑ نہیں پڑتی یہ قائم و دائم رہتا ہے' سالم رہتا ہے.. اس وجود کی گردن کا ماس ادھیڑ عمری کے باعث مردہ جھریوں میں سمٹ کر کریہہ المنظر نہیں ہو جاتا.. یہ راتوں کو بار بار باتھ روم جانے کے لیے بستر سے نہیں اٹھتا اور ہر بار واپس آکر اسے اپنا سانس درست نہیں کرنا پڑتا.. سردیوں کے پچھلے پہروں میں یہ ایک نامعلوم بخار زدہ کیفیت میں مبتلا ہو کر سست' بیزار اور بے مقصد محسوس نہیں کرتا.. اس کا بلڈ پریشر نارمل رہتا ہے' شریانوں میں کوئی اٹک نہیں ہوتی اور اس کے دانت خزاں رسیدہ ہو کر جھڑنے کو نہیں ہوتے.. وہ سخت خوراک کھانے سے مکئی کے بھنے ہوئے سخت دانے چبانے سے اور غسل خانے میں پانی سے بھری ہوئی بالٹی یا کوئی بڑا گملا اٹھانے سے پرہیز نہیں کرتا.. وہ دوائیوں اور خصوصی خوراکوں سے آگاہ نہیں ہوتا..

آپ کے اپنے وجود کے اندر یہ برقرار اور دائم وجود آپ کو اپنی موجودگی کا احساس دلاتا رہتا ہے.. ایک دھند بھری سرد کٹیلی سویر میں کسی پارک کی ٹھٹھری ہوئی گھاس پر پڑتی سورج کی بے حدت زرد شعاعوں سے جب کہرے کے ذرّے ہیرے کی کنی میں بدل کر چمکتے ہیں تو یہ وجود ایک کروٹ لیتا ہے.. کسی سناٹے میں لے جانے والی پرکشش عورت کو دیکھ کر.. ایک فاسٹ باؤلر کو میچ کا بیسواں اوور اس شدت اور قوت سے کرواتے ہوئے دیکھ کر

جیسے وہ اس کا پہلا اور رہو.. یہ وجود کہتا ہے کہ یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں.. اور ایک جمناسٹ کو بازو پر ہاتھوں کے سہارے فضا میں تادیر معلق دیکھ کر.. اس کا یونانی دیوتاؤں ایسا مجسمہ بدن دیکھ کر... کہ یہ تو مشکل نہیں.. چنانچہ وہ برقرار وجود آپ کے موجود وجود کو یکسر بھلا دیتا ہے لیکن آپ ہمہ وقت آگاہ رہتے ہیں کہ یہ فریب ہے.. ہیرے کی کنی.. پرکشش عورت.. فاسٹ باؤلر اور جمناسٹ بہت پیچھے رہ گئے ہیں.. اگرچہ یہ فریب ہے پھر بھی شک باقی رہتا ہے اس لیے کہ برقرار وجود ہار نہیں مانتا...

یہ برقرار وجود خادر کو بھی بہت اذیت دیتا تھا..

وہ سر جھکا کر' شکست تسلیم کر کے ہتھیار ڈال دینے کے لیے میز پر بیٹھنا چاہتا تھا اور وہ اسے بیٹھنے نہیں دیتا تھا.. وہ اسے عمر کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کرنے دیتا تھا.. اور وہ کرنا چاہتا تھا۔

چوبیس گھنٹوں میں صرف وہ ایک لمحہ ہوتا تھا جب یہ برقرار وجود ایک دھچکے سے پیچھے ہٹ جاتا تھا.. جب وہ صبح کی سیر سے واپسی پر شیو بنانے کے لیے آئینے کے سامنے کھڑا ہوتا تھا.. سوجی ہوئی بے روح آنکھیں اور ان کے گرد کوے کے پنجوں ایسی بے جان جھریاں' گال وہاں وہاں سے پچکے ہوئے جہاں سے اس کی داڑھیں نکل چکی تھیں.. چوڑے ماتھے کی شکنوں سے بھی بٹے ہوئے باریک ہوتے الگ الگ نظر آتے ہیئر کلر کی بے قاعدگی کے سبب بدرنگ ہوتے بال... ایسے کہ ان کے چھدرے پن میں سے سر کا ماس جگہ جگہ سے نمایاں ہوتا ہو.. اور چہرے کی جلد کو چنگی میں بھر کر چھوڑنے سے وہ اپنی اصلی حالت کو نہیں لوٹتی تھی.. تادیر وہیں اسی مقام پر پڑی رہتی تھی..

وہ جونہی آئینے سے ہٹتا تھا تو برقرار وجود پھر سے اس پر حاوی ہونے لگتا تھا..

اسے ٹیلی ویژن پر نمودار ہونے کے لیے اب قدرے گھنے میک اپ کی ضرورت پیش آتی تھی۔ لائٹ میک اپ میں اس کے چہرے کی جھریاں نمایاں ہو کر اس کی عمر کے ہر برس کی منادی کرتی تھیں.. اس صبح ناشتے کی میز پر وہ ابھی تک اپنے اصل اور زوال پذیر وجود کے شک میں تھا کیونکہ وہ چند لمحے پیشتر باتھ روم میں اس کے مقابل تھا..

شب بھر کی تسلی کے باوجود بشیر کو اپنی دوسری دلہن کے پاس لوٹنے کی بے چینی ہوتی تھی اس لیے وہ پورے آٹھ بجے ناشتہ لگا کر اپنے کوارٹر میں جا چکا تھا۔

ٹوسٹ ٹھنڈے ہو چکے تھے اور ان پر چھری سے بچھایا جانے والا زرد مکھن بھی منجمد حالت میں تھا' پگھلتا نہ تھا.. میدے کے ٹوسٹ چبانے میں اسے دقت ہوتی تھی.. وہ ابھی کورن فلیکس اور دلیے کی نرمی کو اختیار نہیں کرنا چاہتا تھا.. آنے والے دنوں میں انہی کی نرمی بچے کھچے دانتوں کے لیے قابل قبول ہونی تھی تو جتنے روز وہ ڈبل روٹی کی چکیلی سختی کو برداشت کر سکتا تھا کیوں نہ کرے.. پراٹھے کی مرغوبیت پر ڈاکٹر طاہر نے عینک اتار کر بار بار سر ہلایا تھا' اتنی چکنائی اس عمر میں تو خودکشی ہے سر...

البتہ پرانی وضع کی ٹی کوزی میں ڈھکی کافی ابھی تک گرم دھواں دیتی تھی..

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ اخبار اٹھائے اپنے مختصر لان میں آ گیا.. اور ہر صبح کی طرح آج بھی اس کا جی خوش ہو گیا.. اس منظر کو ہر صبح دیکھنے کے باوجود وہ ہمیشہ ٹھٹک جاتا تھا۔ بارہ کہو کی سرسبز پہاڑیاں لان کی دیوار پر سے جھانکتے اس کے گھر کے اندر چلی آتی تھیں..

سرخ رنگ کی کیمپنگ چیئر پر بیٹھ کر اس نے اپنے دن کا پہلا سگریٹ سلگایا اور اس کے آخری کش نے اسے بے دم کر دیا.. تمباکو کا اصل نچوڑ ہر کش کے ساتھ فلٹر کی قربت میں جمع ہوتا رہتا ہے اور جونہی سلگاہٹ اس تک پہنچتی ہے تو وہ اپنی گھنی مہک کا سحر پھیپھڑوں میں بھر دیتا ہے.. کینسر آرنو کینسر وہ ایک کش زندگی کو مسحور کر دیتا ہے..

اس نے یہ مکان تعمیر کر کے جو اکھیلا تھا..

تب تک اسے علم نہ تھا کہ عقابوں اور سرخابوں کی موجودگی میں ایک چڑیا کا گھونسلا بھی محفوظ رہ سکتا ہے..

وہ اسلام آباد میں اپنے کرائے کے دو کمروں کے فلیٹ کی قید میں سے نکل کر ایک مرتبہ چند بااثر دوستوں کے ہمراہ سملی ڈیم گیا تھا جس کے پانیوں میں لنگر انداز ایک بیکار اور زنگ آلود موٹر بوٹ میں کراچی سے آئے ہوئے کسی بیزار اور سٹاک ایکسچینج میں بہت بلند مرتبے پر فائز بزنس مین کے اعزاز میں ایک پارٹی تھی.. جانے یہ کس کے مفاد میں تھی اور کس نے اس کا بندوبست کیا تھا.. یہاں آفیشل ڈرنک صرف واڈکا اور جن تھی جن کی سفید رنگت ان کے شراب ہونے پر پردہ ڈالتی تھی اور ڈیم کی سیر کو آنے والے خاندان اور معززین اگر ان کی جانب دیکھتے تھے تو یہی سمجھتے تھے کہ بوٹ کے عرشے پر جو معززین لاپروائی سے کھڑے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں پانی کے گلاس ہیں تو یہ صرف سوکھتی ہوئی

جھیل کے نظارے میں محو ہیں.. دیسی خوراک کے رسیا مہمانوں کے لیے چکن تکا اور کڑاہی گوشت کا بندوبست تھا اور بین الاقوامی ذائقے سے آشنا اس قسم کی پارٹیوں کے عادی لوگوں کے لیے کراچی سے کنگ پران اور مختلف قسم کی مچھلیاں اور لابسٹر منگوائے گئے تھے جنہیں گرل کیا جارہا تھا.. اس پارٹی سے واپسی پر شام ہو رہی تھی جب اس نے راستے کے آس پاس ابھرتی سرسبز پہاڑیوں اور ان میں سے اترتے ندی نالوں کو اس نظر سے دیکھا کہ شہر سے پرے اور پھر بھی اس کی مناسب قربت میں ان کھلی فضاؤں میں جو ابھی تک ویران ہیں اگر ایک گھر بنایا جائے تو کیسا رہے.. اور جب اس نے اس علاقے میں چار کنال کا رقبہ نہایت معمولی قیمت پر خرید لیا تو دوستوں نے اس کی حماقت کی داد دی کہ یہاں تو پابندی ہے مکان تو بننے کا نہیں تو اس پتھریلی اور بے آباد زمین پر تو مرغی خانہ بھی نہیں بن سکتا اس کا کیا کرو گے.. لیکن دوست نہیں جانتے تھے کہ سرخاب اور عقاب یہاں بسیرا کرنے کے لیے آئیں گے اور اس چڑیا کا گھونسلا بھی تعمیر ہو جائے گا..

اگرچہ یہاں تعمیر شدہ تمام گھروں کو غیر قانونی قرار دے کر ادھر بلڈوزر بھی آتے رہتے تھے.. چند جگہیوں کو مسمار کر کے بااثر سیاست دانوں اور ایٹمی سائنس دانوں کے بنگلوں سے چشم پوشی کر کے واپس چلے جاتے تھے پھر بھی دھڑکا لگا رہتا تھا... اگر کوئی پانسہ پلٹ گیا اور بلڈوزر سنجیدہ ہو گئے تو پھر کیا ہو گا.. دھڑکا لگا رہتا تھا..

یہ جوا ابھی تک چل رہا تھا۔

وہ یہ جوا نہ کھیلتا تو ٹیلی ویژن اور ادب کی قلیل آمدنی سے ابھی تک جی ایٹ کے اس دو کمروں کے فلیٹ میں ہی بند ہوتا جس میں اس نے زندگی کے پچھلے بیس برس گزار دیئے تھے..

ہر برس اس کی کوئی ایک بیٹی بقیہ دو بہنوں سے مشورہ کر کے کہ اس سال کس کی باری ہے اپنے نہایت آزردہ اور پاکستان سے بیزار بچوں کو سنبھالتی اس کے پاس آ ٹھہرتی... بچوں کو کچوکے دے کر مجبور کرتی کہ وہ گرینڈ ڈیڈ کے گالوں پر پیار کریں اور اپنے نیٹو کنٹری کو انجائے کریں اور رات کے کھانے سے فارغ ہو کر ہمیشہ کہتی "ڈیڈی وہائی ڈونٹ یو گیٹ میریڈ اگین؟"

لیکن اسے کوئی چاہت نہ تھی..

وہ دلچسپی نہیں رکھتا تھا..

وہ برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا کہ زندگی کی اس سٹیج پر ایک سراسر غیر اور انجانا وجود اس کے روزمرہ کے معمولات میں خلل ڈالنے لگے اور اس کے بستر میں شریک ہو جائے.. اس کے ایک جاننے والے نے بالکل اسی قسم کے حالات میں اپنی تنہائی دور کرنے کے لیے ایک مڈل ایج بیوہ سے شادی کر لی تھی اور صرف دو ماہ بعد سلیپنگ پلز پھانک کر اسے پھر سے بیوہ کر گیا تھا..

وہ جہاں تھا.. جس لمحۂ موجود میں جیسا تھا مطمئن تھا..

نہ ہی اسے محبت وغیرہ کا کوئی وسوسہ کوئی چاہت تھی.. اسے اس جذبے کا کچھ تجربہ بھی نہ تھا.. اگر اس کی کوئی حقیقت تھی تو... اگرچہ نوعمری میں اس کے بیشتر دوست اسی محبت میں مبتلا تھے لیکن ان میں سے تقریباً ہر ایک ذاتی کاوش اور محنت سے اس محبت میں مبتلا ہوا تھا.. یعنی ذرا آگے بڑھ کر.. ڈھیٹ بن کر.. عزت نفس تیاگ کر سیٹیاں مارتے لڑکیوں کے کالجوں کے گرد منڈلاتے اور متعدد آہ و زاری اور دکھی شعروں سے اٹے خط متعدد لڑکیوں کو لکھ کر.. وہ بھی یہ سب کچھ اگرچہ کرنا چاہتا تھا لیکن جھجکتا تھا اس لیے اس عظیم نعمت سے محروم رہا۔

تو وہ جہاں تھا' جیسا بھی تھا مطمئن تھا..

یکدم اسے پچھلی رات آنے والے اس فون کا خیال آیا جس کے دوسرے سرے پر جو بھی عورت تھی اس کی کیٹیگری کا تعین نہیں ہو پا رہا تھا.. ذہنی مریضہ ہی ہو سکتی ہے.. اس سے ملنے میں کہیں کوئی رسک تو نہیں.. کسی سکینڈل کا پیش خیمہ نہ ہو.. اس نے خواہ مخواہ اسے وقت دے دیا تھا.. اگر میں اسے ملنے نہ جاؤں تو... لیکن اس نے کہا تھا کہ وہ جانتی ہے کہ وہ کہاں رہتا ہے.. تو پھر...

بارہ کہو سے مری روڈ میں شامل ہونے والی کراسنگ ویگنوں اور مقامی بسوں کے ہارنوں سے گونجتی تھی اور ٹریفک بے حد گھنی اور بے ترتیب تھی.. اس نے اپنی کار ایک چائے خانے کے قریب پارک کی جس کے مالک کو وہ جانتا تھا اور پھر باہر کھڑا ہو کر اسلام آباد سے آنے والی کاروں کو ایک احساس جرم کے ساتھ دیکھنے لگا کہ ان میں سے کوئی ایک کار اس کی

ہو سکتی تھی.. وہ آنے کو آ تو گیا تھا لیکن اب نروس ہو رہا تھا اور اس کی دلی خواہش تھی کہ پچھلی شب جس کسی نے بھی فون کیا تھا محض دل لگی کے لیے کیا تھا.. اس نے فیصلہ کیا کہ وہ صرف پانچ منٹ انتظار کرے گا محض فرض کی ادائیگی کی خاطر اور پھر چلا جائے گا..

سردیوں کی آمد کے باوجود مری کا رُخ کرنے والی ٹریفک میں کمی نہیں آئی تھی.... رینج روورز' پجاروز' ہونڈاز اور ٹویوٹاز اور لاتعداد سوزوکیاں اور بے شمار موٹر سائیکل.. دیوانگی کی حالت میں شرلائے بھرتے تیز رفتاری سے اس کے سامنے سے گزرتے جاتے تھے.. زیورات سے لدی پھندی عورتیں' گوجرانوالہ اور سیالکوٹ کی امارت کے بھڑکیلے مظاہرے' مڈل کلاسیئے.. بچوں کے ڈھیر... لپکتے چلے جا رہے تھے.. گرمیوں میں ان کے لیے مری کی ٹھنڈک کی وارفتگی تو کسی حد تک سمجھ میں آتی تھی.. لیکن ان دنوں جب ہوا میں ایک منجمد ٹھہراؤ تھا یہ وہاں کیا کرنے جا رہے ہیں.. شاید یہ دولت کی فراوانی تھی یا ایک اجتماعی گھبراہٹ تھی جو فرار چاہتی تھی۔

ٹھیک ساڑھے دس بجے اسلام آباد کی جانب سے آنے والے ٹریفک کے ہجوم میں سے ایک گرے رنگ کی چھوٹی سوزوکی انڈی کیٹر جھپکاتی الگ ہوئی اور آہستہ ہوتی ہوئی اس کے قدموں میں آ رکی۔

کھڑکی کا شیشہ اٹکتا ہوا نیچے آیا کیونکہ وہ فُلی لوڈڈ نہیں تھی "ہیلو..."

"جی..." وہ یکدم دیکھ نہیں سکا کہ اندر کون ہے۔

"جی کیا.. اپنی کار کو لاک کرو اور میرے ساتھ بیٹھ جاؤ"... سکول کے بچے کو جیسے استانی ڈانٹتی ہے..

اس نے مڑ کر چائے خانے کی جانب دیکھا.. اس کا مالک گاہکوں کو بھگتانے میں مصروف تھا اور اس کی جانب نہیں دیکھ رہا تھا.. اس نے اپنی کار کو لاک کیا اور گرے سوزوکی کے وا ہو چکے دروازے میں سے جھک کر نہایت فرمانبرداری سے اس کے برابر میں بیٹھ گیا..

"دروازہ تو بند کر دو.."

"سوری..." اس نے دروازے کو اپنی جانب دھکیل کر بند کر دیا۔

کار کا اندرون مختصر تھا اور اس میں کسی خوشگوار ایئر فرشنر کی مہک کو ابھی چند لمحے پیشتر آزاد کیا گیا تھا.. یہ مہک تمباکو کی خوشبو میں گھل کر بدن میں ایک عجیب سی سستی بھرتی

تھی.. ایک مخصوص پرائیویسی کا احساس ہوتا تھا.. ٹریفک گزر رہی تھی' لوگ باتیں کر رہے تھے' ہارن بج رہے تھے لیکن وہ خاموش تصویریں تھے ان کی آوازیں باہر رہ گئی تھیں..

سوزوکی کی چابی کو گھمانے کے لیے جو ہاتھ اس پر آیا اس کی انگلیوں میں سفید چاندی کی ہمہ وقت پہنی ہوئی چھوٹے چھوٹے ہیروں سے مزین انگوٹھیاں تھیں اور کلائی میں دو بریسلٹ تھے.. کلائی کی رگیں ابھری ہوئی اور نیلی تھیں لیکن رنگت سفید تھی..

"تم میری طرف دیکھو گے نہیں؟"

"جی..."

"جی کیا.. ڈیم اٹ میں تم سے ملنے آئی ہوں.. اور یونہی سرسری طور پر نہیں.. من کی موج میں میں نے آج دس بجے یہ فیصلہ نہیں کیا کہ تم سے ملا جائے.. پچیس برس کی منصوبہ بندی کے بعد آئی ہوں.. اور تم... کھڑکی سے باہر دیکھ رہے ہو.." آواز میں ایک مسلسل لرزش تھی.. لہجے میں ایک تہذیبی رچاؤ تھا جو مناسب خاندانی پس منظر اور بہت ہی مناسب پرورش کے بعد ہی عادت کا ایک حصہ بنتا ہے.. "کدھر چلیں؟"

"وہ... مجھے نہیں معلوم.."

"ہم یہیں کھڑے تو نہیں رہ سکتے.. چائے خانے کا مالک جو تمہارا واقف ہے اور جس سے تم اکثر ڈبل روٹی اور کشمش والے بن خریدتے ہو وہ ہمیں دیکھ لے گا اور تم یہ نہیں چاہتے..."

"نہیں..." اس نے یکدم چونک کر کہا.. اور اسے پہلی بار احساس ہوا کہ وہ کہاں ہے اور کس صورت حال میں ہے.. "جدھر آپ کا جی چاہے.."

"میرا جی تو تمہیں کچا کھا جانے کو چاہتا ہے.."

"میں بہت مزیدار نہیں ہوں گا کچی حالت میں..." اس کے اندر ایک بیزاری نے اس بے سبب ملاقات کے خلاف ایک احتجاج نے سر اٹھایا اور پھر اس نے پہلو بدل کر ڈرائیور کو دیکھا..

اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں اور انہی پر اس کی پہلی نگاہ گئی.. وہ رو رہی تھی.. اور روتی چلی جا رہی تھی لیکن بغیر کسی کاوش کے جیسے یہ روزمرہ کا ایک قدرتی عمل ہو جو جاری رہتا ہے.. وہ آنکھیں جھپکتی اور ان آنکھوں میں مسرت کے دیئے سے جلتے تھے.. تو آنسو اپنا

انفرادی وجود کھو کر ایک دھار میں بدل جاتے.. اور وہ زیادہ دیر خالی نہ رہتیں دیکھتے دیکھتے پھر سے بھر جاتیں.. یہ آنکھیں تہہ دار اور غلافی تھیں اور جب کبھی خالی ہوتیں تو ان کا نیم سنہری پن عیاں ہونے لگتا.. سٹیئرنگ پر جمی انگلیاں کانپ رہی تھیں اور ان کی لرزش کلائی کے بریسلٹس پر اثر انداز ہوتی تھی..... وہ بہر طور مڈل ایجڈ تھی' ڈھیلے' خزاں رسیدہ پتوں کے ڈیزائن کے بھورے ریشمی شلوار قمیض میں ملبوس تھی..... اس لیے اس کے بدن کے نشیب و فراز کا کچھ اندازہ نہ ہوتا تھا.. وہ یقیناً ایک ایسی عورت تھی جسے کسی سٹور میں داخل ہو کر سیلز مین کی توجہ حاصل کرنے کے لیے اس سے مخاطب نہیں ہونا پڑتا تھا.. کسی پارٹی میں صوفے پر براجمان وہ کوئی ایک عورت نہیں ہو سکتی تھی.. وہ ہجوم میں گم نہیں ہو سکتی تھی... وہ کوئی یکدم دیکھنے والے کو اپنے حسن سے سناٹے میں لے جانے والی عورت ہرگز نہ تھی لیکن اس کی موجودگی کو نظر انداز کر جانا ممکن نہ تھا.. اور اس کا سبب اس کی غلافی آنکھوں کی اداس کشش تھی' اس کے دیگر خدوخال نہ تھے..

سٹیئرنگ پر اس کی انگلیاں مسلسل کانپ رہی تھیں اور اس کے آنسو تھمنے میں نہ آتے تھے..

"اف یو ڈونٹ مائنڈ..." اس نے گلوکمپارٹمنٹ میں سے سگریٹوں کا ایک پیکٹ نکالا اور اس میں موجود کاغذات کو بہت اتھل پتھل کر کے تلاش کر کے نکالا... اور پھر ایک سگریٹ نکال کر لبوں میں دبا لیا.. اس کے لب بھی لرزش میں تھے.. اس نے کار لائٹر کی ناب کو دبایا اور لائٹر کی رگوں میں مناسب حدت پیدا ہونے سے پہلے ہی اسے کھینچ کر سگریٹ کے قریب لے گئی اور اسے سلگانے کی کوشش کرنے لگی.. سگریٹ کی پوری گولائی کے تمباکو کا ایک کنارہ بمشکل روشن ہوا "ایک لیڈی ڈسٹریس میں ہو تو تم اس کی مدد نہیں کر سکتے.." اس نے جھلا کر کہا..

"جی..."

"یہ تم نے کیا جی جی لگا رکھی ہے.. سکول بوائے کی طرح.. سگریٹ جلانے میں میری مدد کرو.."

خاور سہم گیا اور فوراً کوٹ کی جیب میں سے اپنا لائٹر نکال کر اس کے نیم سلگتے سگریٹ کے نیچے معلق کر کے روشن کر دیا..

اس نے لائٹر کے شعلے کو سگریٹ سے چھونے کی بجائے آنکھیں جھپک کر اس کی جانب ایک گہری ہنستی اگرچہ آنسوؤں سے بھری نظر سے دیکھا "تھینک یو" اور دیکھتی رہی.. خاور کا انگوٹھا لائٹر کے لیور کو دبائے دکھنے لگا اور شعلے کی حدت اس کی پوروں کو جلانے لگی..

"آپ اپنا سگریٹ جلالیں.."

"میں اپنا سگریٹ جلالوں تو تم اپنا لائٹر بند کر کے جیب میں رکھ لو گے اور میری جانب یوں نہیں دیکھو گے... منہ پرے کر لو گے..."

خاور نے جھلا کر انگوٹھا اٹھایا اور لائٹر کو جیب میں رکھنے کو تھا کہ اس کا ہاتھ آگے آیا.. اس کا لمس بے حد ٹھنڈا اور یخ تھا جو ہاتھ اس کے اس ہاتھ پر آیا جو لائٹر کو جیب میں واپس رکھنے کو تھا.. "پلیز..."

سگریٹ سلگانے کے بعد اس نے ایک طویل کش لیا "ہم یہیں تو کھڑے نہیں رہ سکتے.. کدھر چلیں... سملی ڈیم روڈ پر..."

"ہاں یہ مناسب رہے گا.. وہاں ٹریفک نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے اور... میں دیکھا نہیں جانا چاہتا اور نہ ہی آپ مجھے یقین ہے ایکسپوز ہونا پسند کریں گی..."

"مجھے اس کے بعد "آپ" نہ کہنا.. تم.. کہو... سکول بوائے.."

گرے سوزوکی ذرا پیچھے ہٹی.. وہ کار کو بیک کرنے کے لیے پیچھے دیکھ رہی تھی اور اس کی گردن پر جھریاں ابھرتی تھیں.. اور وہ ونڈ سکرین میں سے دیکھ رہا تھا کہ چائے خانے کا مالک جواب گاہکوں سے فارغ ہو چکا تھا اسی گرے سوزوکی کو حیرت سے تک رہا تھا...

گرے سوزوکی مری روڈ کے کراسنگ سے الگ ہو کر بارہ کہو کی آبادی کے درمیان حرکت کرنے لگی.. کار کے اندر ایئر فریشنر کی مہک پر تمباکو کی کڑواہٹ کا دھواں اثر کر رہا تھا.. وہ اپنے دونوں ہاتھ گود میں سمیٹے چپ بیٹھا رہا.. سٹیئرنگ پر جمے دائیں ہاتھ میں کچھ اطمینان تھا اور عمر سے ذرا سکڑتی انگلیوں میں وہائٹ سلور میں جڑے جو ہیرے تھے ان کی دمک میں ٹھہراؤ تھا لیکن بایاں ہاتھ جب کبھی سٹیئرنگ سے اٹھتا کہ اس میں سگریٹ سلگتا تھا کپکپا رہا ہوتا اور منہ تک لے جاتے ہوئے اسے تردد کرنا پڑتا.. اگرچہ وہ مڈل ایجڈ تھی لیکن یہ عمر لمحہ بھر کے لیے اس کے آس پاس آکر ٹھٹک گئی تھی... عین کنارے پر تھی.. اور یکدم اپنا آپ ظاہر کر دینے کے آثار وہاں منتظر تھے.. کسی ایک اگلے ثانیے میں... سگریٹ کے اگلے کش

کے بعد وہ اُس پر اثر سکتی تھی.. لیکن ابھی وہ اس کی قربت میں آکر ٹھٹک گئی تھی..

وہ ابھی تک رو رہی تھی..

اس کی آنکھیں خشکی سے آشنا نہیں ہوتی تھیں..

جیسے کچھ لوگوں کی آنکھوں میں سے کسی جسمانی عارضے کے باعث مسلسل پانی بہتا رہتا ہے... ایسے وہ روتی تھی.. اور ابھی تک آنسو اپنا انفرادی وجود برقرار نہیں رکھ سکتے تھے اور آنکھیں جھپکنے سے دھاروں میں بدل جاتے تھے.. اور اس کے باوجود اس کے نین نقش پر کوئی المیہ کوئی ٹریجڈی یا دُکھ تحریر نہیں تھا جو گریہ کا سبب بنتے ہیں...

"آپ رو کیوں رہی ہیں؟"

"آپ نہیں.. تم... سکول بوائے۔"

"تم.."

"اس لیے کہ میں خوش ہوں۔"

"میں خوشی کے ایسے اظہار سے آشنا نہیں۔"

"اس لیے کہ تم مجھ سے آشنا نہیں.." اس نے شرمندگی سے اور اپنی عزت نفس کو استوار کرنے کے لیے فوراً اپنے آنسو پونچھے.. "میں رونے والی عورت نہیں ہوں.. مجھے اپنے کسی قریبی عزیز کی حادثاتی موت پر بھی رونے میں بہت دشواری پیش آتی ہے.. میں چادر کو اپنے چہرے پر کھینچ کر سر جھکائے بیٹھی رہتی ہوں تاکہ میری خشک آنکھوں کو دیکھ کر میرے رشتے دار یہ نہ سمجھیں کہ مجھ پر اثر نہیں ہوا.. مجھے دکھ نہیں ہوا.. اگرچہ میں ان سے کہیں زیادہ دکھی ہوتی ہوں لیکن.. میں آسانی سے رو نہیں سکتی.. اگر اس لمحے میرے بیٹے مجھے دیکھ لیں تو کبھی یقین نہ کریں کہ یہ ان کی ماں ہے.."

"طاہرہ بھی بہت روتی تھی..."

"طاہرہ.." اس کی غلافی آنکھوں کے بھاری پپوٹے اس کی جانب اٹھے..

"کل رات جب آپ کا... تمہارا ٹیلی فون آیا تھا تو میں اسے دفن کر کے لوٹا تھا.. وہ بھی بہت روتی تھی..."

"ہاں.. طاہرہ بخاری.. مجھے بہت دکھ ہوا... آج کے اخبار میں اس کی تدفین کی تصویریں تھیں لیکن ان میں تم نظر نہیں آئے.. ہاں وہ روتی بہت تھی.. لیکن وہ ایک اداکارہ

تھی.. میں نہیں ہوں.."

"ہاؤڈویونو..."

"آئی ایم سوری..."

بارہ کہو کی آبادی کے خاتمے پر سڑک یکدم نیچے چلی گئی.. اور گہرائی میں ایک چوڑے خشک اور پتھروں سے اٹے پاٹ کے بیچ میں بہتی ندی پر بندھا ایک تنگ پل سامنے آگیا.. ٹریفک یک طرفہ تھا اور ابھی دوسری جانب سے آنے والوں کی بے چینی تھمی اور وہ رک گئے..

اس نے سگریٹ کا ایک اور... اور آخری کش کھینچا اور کھڑکی کا شیشہ نیچے کر کے باہر پھینک دیا "ہم پل کے پار جائیں گے تو ذرا آگے جہاں سے چڑھائی کا آغاز ہوتا ہے دائیں ہاتھ پر تمہارا گھر ہے.. سرخ کھپریل کی اطالوی طرز کی چھت والا... گہرے مونگیائی رنگ کا گیٹ اور تمہاری کال بیل جس کا بٹن نیلے رنگ کا ہے۔"

"آپ... تم یہ کیسے جانتی ہو.."

"اس لیے کہ پچھلے دس برس سے.. جب سے تم نے یہاں شفٹ کیا ہے میں ہر ہفتے.. سوموار کے روز.. پچھلے پہر صرف اس گیٹ کو... اور اس پر لگی تمہارے نام کی تختی کو دیکھنے کے لیے آتی تھی.. اس لیے.."

یہ عورت صرف ایک سادہ ذہنی مریضہ نہیں تھی.. اس سے کہیں آگے کی کوئی شے تھی.. کیا میں نے ایک دلچسپ اور عجیب شخصیت سے ملنے کے چاؤ میں ایک فاش حماقت تو نہیں کی... کی ہے تو اب پانی سر سے گزر چکا تھا..

بارہ کہو کی ندی کے تنگ پل پر سے دوسری جانب سے آنے والی ایک سوزوکی ویگن کھڑکھڑاتی ہوئی گزر گئی اور پل خالی ہو گیا.. ان کی پشت میں اس پل کے خالی ہونے کے منتظر جو ڈرائیور تھے ان کے ہاتھ فوراً اپنے اپنے ہارن پر بے چینی سے دبنے لگے..

"میں یہیں کھڑی رہوں اور کار کو سٹارٹ نہ کروں تو یہ ہائیڈ ہمارا کیا کر لیں گے.."

"پلیز..."

دوبارہ کار سٹارٹ کرتے ہوئے اس نے اتنی تاخیر ضرور کی جس سے پیچھے رکی

ہوئی ٹریفک کو اندازہ ہو جائے کہ وہ ان کے بار بار ہارن بجانے کے دباؤ کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی من مرضی سے حرکت کرنے لگی ہے... پل کے پار ہو کر کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد جب اس کے گھر کا مونگیا گیٹ دکھائی دیا تو اس نے جان بوجھ کر متعدد بار ہارن بجایا اسے بتانے کے لیے کہ وہ اس کی رہائش گاہ کے حدود اربعے سے بخوبی واقف ہے اور وہ صرف کہانیاں نہیں سنا رہی تھی..

"اگرچہ تمہیں یہ ڈبل برسٹڈ نیلا بلیزر بہت پسند ہے.. تم اسے بہت پہنتے ہو' زیادہ تر ہلکے رنگ کے شلوار قمیض کے ساتھ... اور جیب میں سے جھانکتا ایک سرخ ریشمی رومال جو بہت چیپ لگتا ہے... لیکن تم اپنا براؤن سکاٹش ٹویڈ کوٹ بہت کم پہنتے ہو جو مجھے زیادہ پسند ہے.. براؤن سکارف کے ساتھ..."

"میری وارڈروب کے بارے میں تمہاری معلومات حیرت انگیز ہیں.." وہ بے آرام کرنے والی باتیں کرتی تھی اور وہ ابھی سے اس سے تنگ آچکا تھا..

"ہاں.. میں تمہاری مکمل وارڈروب سے واقف ہوں.. سوائے انڈرویئرز اور بنیانوں کے... یہاں تک کہ کچھ جرابوں کے رنگ بھی بتا سکتی ہوں.... میں اس جامنی رنگ کی ویسٹ کوٹ کے بارے میں بھی جانتی ہوں جو تم نے اب تک صرف ایک مرتبہ پہنی ہے.. شکر ہے کہ ایک مرتبہ ہی پہننے سے تمہیں احساس ہو گیا کہ اس قسم کا رنگ صرف سرکس کے مسخروں کو ہی سوٹ کر سکتا ہے.." خاور نے بڑی مشکل سے اپنے کھولتے ہوئے غصے پر قابو پایا.. ایک سراسر اجنبی عورت کس دیدہ دلیری سے اس کی ذات کے بارے میں اتنے بے ہودہ ریمارکس دے رہی تھی "اور ہاں وہ براؤن رومال جو تم ہر جیکٹ ہر ویسٹ کوٹ کی جیب میں اڑس کر سمجھتے ہو کہ وہ میچ کرتا ہے..."

غصے کی بجائے خوف غلبہ پانے لگا... اس قسم کی عورت سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ اس کی غیر موجودگی میں اس کے بیڈروم میں داخل ہو کر وارڈروب کی تلاشی لیتی رہی ہو.. "لیکن تم... یہ سب کیسے جانتی ہو؟"

"میں نے تمہیں کبھی اوجھل نہیں ہونے دیا" وہ بہت کھل کر ہنسی.. اور جب اس کے پھیلے ہوئے ہونٹ دانتوں پر واپس آئے تو اس نے انہیں زور سے بھینچا اور اس دوران بھی اس کے آنسو گرتے رہے اور آنکھیں دھلتی رہیں "میں تو یہ بھی جانتی ہوں کہ تم ہر

ہفتے... جمعرات کے روز صبح ساڑھے دس بجے کی فلائٹ سیون اوتھری سے کراچی جاتے ہو اور اگلے روز شام کی فلائٹ سے آٹھ بجے واپس اسلام آباد آجاتے ہو.. ہر ہفتے.."

"یہ تم کیسے جانتی ہو؟" وہ باقاعدہ دہل گیا.... وہ اس کی ذاتی زندگی کا ہر پرت الٹتی جاتی تھی اور وہ اپنے کو بے لباس ہوتا محسوس کرتا تھا.. کیونکہ وہ درست کہتی ہے.. وہ انہی اوقات میں ہر ہفتے انہی ایام میں انہی پروازوں پر سفر کرتا تھا.. ایک اشتہاری فرم کے کنسلٹنٹ کی حیثیت سے وہ جمعرات کو کراچی جاتا تھا اور اپنا کام نپٹا کر اگلے روز واپس آجاتا تھا۔

"یہ میں ایسے جانتی ہوں سکول بوائے کہ پچھلے دس برس سے میں ہر جمعرات کو صبح ساڑھے دس بجے تمہاری روانگی پر اور اگلے روز تمہاری واپسی کے وقت پر ایئرپورٹ پر موجود ہوتی ہوں.... پچھلے دس برس سے ہر ہفتے... اور اسی لیے میں تمہاری مکمل وارڈروب سے واقفیت رکھتی ہوں.. تم جو کچھ بھی پہنتے ہو میں اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیتی ہوں.. تم چیک کرنا چاہو تو کر سکتے ہو شاید کوئی آئٹم رہ گئی ہو.. کوئی شرٹ کوئی ٹائی..." اس کا لہجہ بے حد نرم تھا... نہ وہ اسے ڈرانے کے انداز میں کچھ کہتی تھی اور نہ داد لینا چاہتی تھی۔

"تم ایسا کیوں کرتی رہی ہو؟"

"تمہیں دیکھنے کے لیے..."

"لیکن کیوں؟"

"تمہیں دیکھنے کے لیے.." اس نے پھر کہا جیسے یہی ایک مکمل جواز ہو.. اور اس میں کوئی بے چینی کسی اذیت کا شائبہ نہ تھا.. اگرچہ اس کی انگلیاں ابھی تک اس کے قابو میں نہ تھیں' ان کی کپکپاہٹ کلائی کے بریسلٹس میں سرایت کر کے انہیں بھی کپکپاتی تھی..

سملی ڈیم روڈ پر اس کی گرے سوزوکی ایک ہموار رفتار سے چلتی رہی.. پھر اس نے دائیں جانب سٹیئرنگ گھمایا اور اس ویران سڑک پر ہو گئی جو ایک ویران علاقے کے بعد پہاڑیوں کے اوپر بلند ہو رہی تھی.... بارہ کہو کے نواح کی یہ پہاڑیاں وادیٔ سون کی قدیم تہذیب کے زمانوں سے لے کر صرف چار برس پہلے تک اپنی آبائی کیفیت میں بے آباد اور ویران پڑی تھیں... پھر کراچی کے کسی انڈسٹر کا ادھر سے گزر ہوا اور اس نے انہیں غریب چرواہوں اور غیر حاضر مالکوں سے کوڑیوں کے داموں خرید لیا یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہاں گھر بنانے کی اجازت کبھی نہیں ملے گی' اس نے پورے علاقے کی پیمائش کروا کے پلاٹنگ کی

اور سڑکوں کا ایک وسیع جال بچھادیا.. اس کے لیے یہ ایک معمولی سرمایہ کاری تھی لیکن کل کلاں اگر وہ کسی مؤثر سیاسی شخصیت کو ایرے زونا یا ٹیکساس میں کوئی فارم آفر کر کے اس علاقے میں گھر بنانے کی پابندی کے قانون کو ذرا آگے پیچھے کروالیتا ہے تو ان پہاڑوں نے سونا ہو جانا تھا.. فی الحال تارکول کی سڑکوں کے کنارے جنگلی گھاس اگتی تھی اور ان پر کوئی آمد و رفت نہ تھی سوائے چھپکلیوں' خرگوشوں اور نیولوں کے جن کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان کی آماجگاہوں کے اوپر یہ کیسی سختی بچھ گئی ہے کہ وہ اپنے سوراخوں اور بلوں میں رینگتے ہوئے اوپر پہنچتے ہیں تو یکدم روشنی میں نہیں نکلتے.. پتھروں کی چادر سے جا ٹکراتے ہیں.. البتہ سانپ خوش تھے.. سرد راتوں میں وہ کملائے اور ادھ موئے ٹھنڈک سے لاچار رینگتے ہوئے اپنے بلوں سے باہر آتے تھے اور سڑک پر لوٹتے تھے اور اپنے آپ کو آسودہ کرتے تھے.. تارکول سورج کی گرمی کو رات گئے تک سنبھالے رکھتا تھا.. سڑک آس پاس کی زمین کی نسبت گرم ہوتی تھی..

گرے سوزوکی ذرا آہستہ ہو گئی.. ہولے ہولے بلند ہونے لگی..

"یہ تم کدھر جا رہی ہو؟"

"گھر..."

سڑک کے ایک بل کھاتے حصے کو طے کر کے اس نے کار کو بائیں ہاتھ پر موڑا اور پھر بریک پر پاؤں رکھ دیا.. "گھر آگیا ہے.." وہ اپنا بیگ سنبھالتی باہر نکل گئی..

"تم بھی آجاؤ.." اس نے تھوڑی دیر کے بعد جھک کر اسے اسی حالت میں بیٹھے دیکھا "آجاؤ سکول بوائے... ڈرو مت یہاں کوئی نہیں ہے.."

وہ اس سکول بوائے کے لقب سے چڑنے لگا تھا.. اور مناسب موقع کے انتظار میں تھا جب وہ اسے بتا سکے کہ لیڈی تم خواہ مخواہ میرے ساتھ فرینک ہو رہی ہو.. میں عمر میں تم سے کہیں بڑا ہوں' اگر تم میری تعظیم نہیں کر سکتیں تو کم از کم یہ سکول بوائے بل شٹ تو استعمال نہ کرو.. لیکن وہ تعین نہیں کر پا رہا تھا کہ وہ مناسب موقع کب مناسب ہے کیونکہ پچھلے پچیس منٹ میں کہ مری روڈ کراسنگ سے یہاں تک کے سفر کی مدت اس سے زیادہ نہ تھی.. وہ مختلف اور سراسر مخالف کیفیتوں اور احساسات سے دوچار ہوا تھا.. سراسیمگی' خوف' ہمدردی' حماقت اور اس کی ڈھلتی غلافی آنکھوں کی کشش.. وہ کسی ایک مقام پر ٹھہرتا تو موقع کی مناسبت کا تعین ہوتا..

وہ باہر آ گیا..

سرسبز اور پتھریلی پہاڑیوں میں کہیں سرکنڈے تھے ہوا میں دوہرے ہوتے ہوئے' جنگلی جھاڑیاں اور کھردری گھاس تھی جس کی خودرو قدرتی ترتیب کو نو تعمیر شدہ سڑکوں کا جال بے رحمی سے کاٹتا تھا' بلندیوں پر چڑھتا تھا اور پھر نشیب میں گرتا تھا.. سنسناتا ویرانہ تھا اور بڑے بڑے پتھر تھے.. یہاں سے بارہ کہو کی آبادی مری روڈ سے لپٹی ہوئی اس کی قربت میں جاتے جاتے گھنی ہوتی دکھائی دیتی تھی... پہاڑیوں کے دامن میں بکھرے ہوئے چھوٹے چھوٹے گاؤں اور ڈیرے تھے اور وہ غیر قانونی مکان تھے جو ندی کے پار کے علاقے میں اپنی جدید مگر اس قدرتی ترتیب میں بے ربط تعمیر کے باعث بہت نمایاں اور بے جواز لگتے تھے.. ان میں اس کا گھر بھی شامل تھا جس کی سرخ کھپریل کی چھت یہاں سے بھی دکھائی دے رہی تھی.. ندی کے دوسرے کنارے پر مری روڈ کا بل کھاتا فیتہ بھی نظر آتا تھا لیکن دوری کے باعث اس پر رینگتی ٹریفک فاصلے کی بے نام دھندلاہٹ میں گم تھی... ہوا بے لگام اور تیز تھی اور چہرے کو اس کی عادت نہ ہوتی تھی..

وہ دونوں کچھ دیر تک ایسے کھڑے رہے جیسے ایک دوسرے کی موجودگی سے آگاہ نہ ہوں' سامنے دیکھتے رہے اور پھر اس نے پلٹ کر اسے دیکھا.. تیز ہوا اس کی آنکھوں میں سے گرنے والے پانی کو اس کے رخساروں پر پھیلا دیتی تھی "وُڈ یو لائک اے ڈرنک؟.." اس نے ہتھیلی سے اپنے رخساروں کو پونچھا...

"آئی ڈونٹ ڈرنک..."

"آئی نو یو ڈو..." وہ ہنستے ہنستے دوہری ہو گئی.. اس کی کمر میں تین بچوں کو جنم دینے کے باوجود اتنی لچک تھی کہ وہ دوہری ہو سکتی تھی.... "میں نے بندوبست کر رکھا ہے" سڑک سے ہٹ کر جہاں سے ڈھلوان شروع ہوتی تھی وہاں ایک بڑے جم کی چٹان یوں ٹھہری ہوئی تھی جیسے وہ کسی قدیم دور میں لڑھکتی ہوئی اتری اور عین ڈھلوان کے کنارے پر آ کر رُک گئی.. وہ اپنے آنسو پونچھتی اس چٹان تک گئی اور جھک کر اس کی کوکھ میں پوشیدہ دو پیپر کپس نکالے اور انہیں دونوں ہاتھوں میں بلند کر کے وہیں سے پوچھا "پیپسی یا اورنج جوس؟... دونوں مہیا کیے جا سکتے ہیں.."

"کچھ بھی..." وہ منہ کھولے حیرت سے اس عجوبہ عورت کو دیکھتا رہا.. وہ اس کے

تجربے سے باہر کی کوئی چیز تھی.. اس کی فہم سے الگ اور بالاتر کوئی وجود تھی..

دونوں پیپر کپس پہلے اس نے چٹان پر رکھنے کی کوشش کی مگر ہوا انہیں اوندھا کر دیتی یا زمین پر گرا دیتی.. پھر اس نے سر جھٹک کر ایک مسرت آمیز کیفیت میں انہیں چٹان کے نیچے زمین پر رکھا.. تھوڑی دیر تک انہیں سانس روکے گھورتی رہی کہ یہ گریں گے تو نہیں اور جب وہ قائم رہے تو اس نے چٹان کی پوشیدگی میں سے پیپسی کولا کی ایک کنگ سائز بوتل نکال کر اس کا ڈھکن گھمایا اور کاغذ کے گلاس لبریز کر دیئے..

"یور ڈرنک از ریڈی.." اس نے ہاتھ لہرا کر اسے دعوت دی..

خاور نے آگے بڑھ کر اپنا کپ وصول کر لیا..

"چیئرز..." اس نے اپنا کپ ہونٹوں سے لگایا اور ایک ہی سانس میں خالی کر دیا.. مشروب کی گیس کو ایک ڈکار کی صورت میں باہر آنے سے روکنے کے لیے اس نے لب بھینچے.. اس کے لبوں پر ایک گیلاہٹ تھی جو ان کے مساموں میں سے پھوٹتی تھی "تم مجھ سے یہ نہیں پوچھو گے کہ یہ تمہاری توضیح کے لیے یہ سب کچھ یہاں پہلے سے کیسے موجود ہے.." وہ اس کے چہرے پر لکھی بے یقینی سے لطف اندوز ہو رہی تھی.. وہ چپ کھڑا رہا... ایک سکول بوائے کی طرح جس کی ٹیچر کے پاس دنیا کے ہر سوال کا جواب موجود ہوتا ہے..

"میں پچھلے کئی برس سے اسلام آباد کے گرد و نواح کے علاقوں کی خاک چھانتی رہی ہوں یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ جب میں تم سے پہلی بار ملوں گی تو ہم کس سپاٹ پر آ کر رُکیں گے.. راول جھیل کا دوسرا کنارا ابھی بہت الگ تھلگ اور دیدہ زیب ہے مگر وہاں بھی اتنی غیر قانونی کنسٹرکشن ہو رہی ہے کہ کچھ نہ کچھ آتا جاتا رہتا ہے.. گولڑہ کا تقریباً بے آباد ریلوے سٹیشن جہاں برگد کے بہت ہی پرانے جن کی داڑھیاں زمین تک آتی ہیں درخت سایہ کرتے ہیں مجھے پہلے پہل بہت آئیڈیل لگا لیکن پھر میں نے سوچا کہ وہ تمہارے گھر سے بالکل مخالف سمت میں اور پورا اسلام آباد عبور کرنے کے بعد آتا ہے.. دامن کوہ میں بہت ہجوم ہوتا ہے.. تب جا کر میں نے اس سپاٹ کو دریافت کیا جو تمہارے گھر کے قریب بھی تھا اور میں تمہیں گارنٹی دیتی ہوں کہ اس سے بہتر' تنہا' الگ اور ویران اور ایسے منظر والا سپاٹ اس پورے خطے میں نہیں ہے.. مائنڈ یو یہ برسوں کی تحقیق کا نتیجہ ہے.. اور تم نے ابھی تک یہ

نہیں پوچھا کہ چٹان کے نیچے یہ چھوٹا سا ریستوران کہاں سے آگیا.."

"میں کیسے پوچھ سکتا ہوں جب کہ بولنے کے تمامتر اختیارات تمہارے پاس ہیں.."

"وجہ بہت سادہ ہے.. تمہارے پاس کہنے کو کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ میں تمہارے بارے میں سب کچھ پہلے سے جانتی ہوں.. تم مجھے نہیں جانتے اس لیے میں بولتی چلی جاتی ہوں.. کل صبح.. فرید کی بارات لے جانے سے پہلے... جب میں جانتی تھی کہ آج رات میں تمہیں فون کروں گی.. صبح سویرے کسی بہانے میں گھر سے نکلی تھی اور اس چٹان کے نیچے یہ ڈرنکس سٹور کر گئی تھی.. کیونکہ آج ہم نے یہاں آنا تھا.."

"اور تم نے قطعی طور پر اس امکان کو ذہن میں جگہ نہیں دی کہ میں تم سے ملنے سے انکار بھی کر سکتا ہوں.."

"نہیں.." اس نے سر ہلایا اور پھر یکدم اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا جیسے پہلی بار اسے خیال آیا ہو کہ یہ امکان بھی ہو سکتا تھا.. "نہیں.."

"تم نے یہ سوچا کہ ہمارے معاشرے میں مرد تو منتظر رہتے ہیں.. وہ کبھی انکار نہیں کر سکتے.."

"نہیں.." اس نے پھر کہا.. ہونٹ چباتے ہوئے اس نے موضوع بدلنے کے لیے فوراً کہا "یہاں صرف ڈرنکس ہی نہیں ہیں... کشش والے بن بھی ہیں جو تمہیں بہت پسند ہیں.. تمہارے اس چائے خانے کے مالک نے مجھے بتایا تھا اور کچھ چکن اینڈ ٹومیٹو سینڈوچ بھی سٹور میں ہیں اگر وہ باسی نہیں ہو گئے تو.."

"کیا آپ رونا بند نہیں کر سکتیں؟"

"کیا میں اب بھی رو رہی ہوں.." اس نے آنکھوں پر ہتھیلی رکھ کر انہیں پونچھا اور پھر انہیں گیلی پا کر پہلی بار شرمندہ ہوئی "آئی ایم سوری... آئی کینات ہیلپ اٹ.. پچیس برس کی قید کے بعد میں آج رہا ہوئی ہوں اس لیے میرا بس نہیں چل رہا.. آئی کینات ہیلپ اٹ.."

اس کا چہرہ... غلافی آنکھوں کے سیال سحر کے باوجود کچھ پھولا ہوا سا لگا.. شاید یہ عمر تھی جو ماس کو بے حس اور ہڈیوں سے جدا کرتی تھی..